ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

ڈاکٹر عنبر فاطمہ عابدی ❀

شوکت تھانوی اور سیّد محمد جعفری کے مرثیے: تجزیاتی و تفصیلی مطالعہ

Elegies of Shaukat Thanvi and Syed Muhammad Jafri: An Analytical and Detailed Study

By *Dr. Amber Fatima Abidi, Lecturer Urdu, Shaheed Zulfiqar Ali Bhutto University of Law, Karachi.*

Abstracts

Urdu marsiya writing is specialised with distinctive poets like Mir Anis, Mirza Dabeer, Josh Malih Abadi, Naseem Amrohvi whereas, beside these poets some other poets who don't belong specifically to this genre but, excelled and perfected the art of marsiya writing. In this context, Shaukat Thanvi and Syed Muhammad Jafri are the most eminent humorists of Urdu language. They both, began writing and recognised theirselves in the pre-independence era. Although, their main pivot of prose and poetry writing was humor, but they also wrote marsiyas of a valuable worth in account of Urdu marsiya. In this research paper, an attempt has been made to anylize the different dimensions of their marsiyas. Their marsiyas contain all the essential elements which represent a literary blend of traditional and modern marsiyas.

Keywords: Shaukat Thanvi, Syed Muhammad Jafri, Urdu Language, Humor, Marsiya.

❀ لیکچرر اردو، شہید ذوالفقار علی بھٹو یونی ورسٹی آف لا، کراچی

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

شوکت تھانوی (۱۹۰۹ء۔۱۹۶۳ء)[۱] اور سید محمد جعفری (۱۹۰۵ء۔ ۱۹۷۶ء)[۲] اردو کے وہ معروف ادیب ہیں جن کی وجہِ شہرت تو مزاح نویسی قرار پائی، تاہم ان دونوں شخصیات میں یہ قدر مشترک ہے کہ ان کی شعری تصانیف میں مرثیے بھی موجود ہیں۔ اردو مرثیے کا نام سنتے ہی ذہن میں یوں تو میر انیس (۱۸۰۲ء۔۱۸۷۴ء) اور مرزا دبیر (۱۸۰۳ء۔۱۸۷۵ء) کے نام تازہ ہو جاتے ہیں کہ عام تاثر بھی یہی ہے کہ اردو مرثیہ، انیس و دبیر سے شروع ہو کر انھی پر ختم ہو گیا، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اردو مرثیے کا سفر جو انیس و دبیر سے قبل شروع ہوا، اب بھی نئی منزلوں کی جانب گامزن ہے۔ اس کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ اردو شاعری سے وابستگی، ہر صاحبِ فہم کو حالی (۱۸۳۷ء۔ ۱۹۱۴ء) کے تنقیدی افکار سے یہ آگہی فراہم کرتی ہے کہ تمام اصناف سخن میں ممتاز اور اخلاقی نظم کا مستحق اگر کسی صنف کو قرار دیا جا سکتا ہے تو وہ مرثیہ ہے۔[۳] اس ضمن میں ڈاکٹر شارب ردولوی (۱۹۳۵ء) یہ لکھتے ہیں:

> اردو شاعری کے عظیم ذخیرے میں مرثیے کو ایک بڑی اہم اور انفرادی حیثیت حاصل ہے یہ اس لیے نہیں کہ اس کا تعلق مذہب یا عقیدے سے ہے حالانکہ دنیا کے ادب میں جن نظموں کا آج تک کوئی ثانی نہیں ہے ان میں بیشتر نظموں کے محرک مذہبی واقعات اور عقائد تھے اس لیے یہ بات معذرت کی نہیں ہے کہ مرثیے مذہبی واقعات سے متعلق ہیں لیکن دراصل نہ مرثیوں کی عظمت کا سبب مذہب و عقائد ہیں اور نہ ان عالمی ادب کے عظیم رزمیوں کی عظمت کا سبب ان کے لکھنے والوں کے عقائد تھے، عظمت ان واقعات کی انسانی قدروں میں ہے، ان واقعات کو اپنے تخلیقی عمل میں ڈھالنے میں اور اظہار کے ان طریقوں میں ہے۔ اور ان سب چیزوں نے مل کر اسے عالمی کلاسیک یا کسی ادب کی عظیم تخلیق کا درجہ دیا ہے۔[۴]

اس حوالے سے جب موجودہ زمانے کے اہم شعرا کی فہرست مرتب کی جائے تو اندازہ ہو گا کہ صف اوّل کے کم و بیش سب ہی ممتاز شعرا نے مرثیے کے ذیل میں بھی کچھ نہ کچھ رقم کیا ہے۔ فیض (۱۹۱۱ء۔ ۱۹۸۴ء) کا مرثیہ "رات آئی ہے شبیرؑ پہ یلغار بلا ہے" ہو یا کیفی اعظمی (۱۹۰۹ء۔ ۲۰۰۲ء) کا "امن کی خاطر بقائے حریت کے واسطے"، غرض رئیس امروہوی (۱۹۱۴ء۔۱۹۸۸ء)، مصطفیٰ زیدی (۱۹۳۰ء۔ ۱۹۷۰ء)، ڈاکٹر وحید اختر (۱۹۳۴ء۔ ۱۹۹۴ء)، تابش دہلوی (۱۹۱۱ء۔ ۲۰۰۴ء) اور راغب مراد آبادی (۱۹۲۱ء۔ ۲۰۱۱ء) جیسے ممتاز شعرا کے نایاب مرثیے اس امر کی دلیل ہیں کہ ان کے شعری سرمائے میں مرثیے کی بھی ایک قدر و قیمت ہے۔ رثائی شاعری کے باب میں اردو مزاح نویسوں کے مرثیے بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہیں کہ جہاں مزاح نویس اپنے گرد و پیش کے مسائل کو طنز و مزاح کی ادبی چاشنی کے

ذریعے نمایاں کرتا ہے وہیں یہ حقیقت بھی اس کے پیشِ نظر رہتی ہے کہ کوئی بھی ادیب یا شاعر اپنا تعلق ماضی سے قطع کر کے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ ادب کی تخلیق کے تانے بانے حال کے ساتھ ماضی سے بھی مربوط ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگرچہ شوکت تھانوی اور سید محمد جعفری مزاح نویس تھے تاہم ان کی وابستگی نہ صرف اپنے زمانے سے تھی بلکہ ان کا گہرا مشاہدہ اور ربط ماضی کی روایات، تاریخی حالات اور اپنی مذہبی اقدار سے بھی قائم رہا اور یہی وہ عوامل رہے ہوں گے جو ان کے مرثیے کی تصنیف کا سبب بنے۔[۵] البتہ یہ ضرور ہے کہ شائقین ادب کے لیے یہ سوال دل چسپی کا باعث بھی بنتا ہے اور حیرت کا سبب بھی کہ کوئی مزاح نگار، آیا مرثیہ نگار بھی ہو سکتا ہے؟ تو اس کا جواب ڈاکٹر فرمان فتح پوری (۱۹۲۶ء۔۲۰۱۳ء) کی اس رائے سے یوں ملتا ہے کہ:

> اب رہ گیا یہ سوال کہ جو شخص ظرافت کی پھلجھڑیاں چھوڑتا ہے اور افراد و معاشرے کی غمناکی کو لطف و نشاط میں بدل دینا چاہتا ہے کیا وہ شخص فی الواقع دوسروں کے مقابلے میں زیادہ خوش و خرم و آسودہ حال اور غم و آلام سے آزاد ہوتا ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے دل خوش کرنے اور تفریحِ طبع کے لیے لطیفہ گوئی کی حد تک تو اس بات کا جواب اثبات میں دیا جا سکتا ہے ورنہ صورتِ حال عام طور پر اس کے برعکس ہوتی ہے۔ جسے ہم سنجیدہ ظرافت نگار یا طنز و مزاح کے حوالے سے فن کار کہتے ہیں عموماً وہ اندر سے اوروں کی بہ نسبت زیادہ احساس ہونے کے سبب زیادہ دکھی ہوتا ہے۔[۶]

اسی نکتے کے پیشِ نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ شوکت تھانوی اور سید محمد جعفری نے اپنی مزاح نگاری میں جہاں معاشرے کے مسائل کو ظریفانہ انداز میں پیش کیا وہیں ان کے منفرد مرثیے ان کے سنجیدہ افکار اور مذہبی شعور کے علاوہ حساس طبیعت کی عکاسی بھی کرتے ہیں۔ جو شخص بھی مذہبی ادراک اور ادبی ذوق رکھتا ہے، اگر وہ قدیم و جدید مرثیوں کا مطالعہ کرے تو یہ نتیجہ بہ آسانی اخذ کر سکتا ہے کہ مرثیے میں انسانی تہذیب و اقدار کی ترجمانی بھی کی جاتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ اور آل رسول ﷺ کی زندگی کے حالات و واقعات کو تسلسل و ربط قائم رکھتے ہوئے واقعات کربلا پر لا کے منتج کرنا، مرثیہ گوئی کا کمال ہے۔ گویا یہ ایک ایسی صنفِ شاعری ہے جس میں انفرادی و اجتماعی دونوں سطحوں پر انسانی رشتوں، رویوں اور احساسات و جذبات کی ترجمانی ہوتی ہے۔ مگر خاص بات یہ ہے کہ رشتوں اور رویوں کے یہ مظاہر عام لوگوں کے نہیں ہوتے بلکہ ان اعلیٰ ترین ہستیوں سے منسلک ہوتے ہیں جن میں اوّل وجہ تخلیقِ کائنات، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں اور آپ ﷺ سے وابستہ، آپ ﷺ کے عزیز و اقارب کے باہمی طرزِ عمل، برتاؤ، حفظِ مراتب، مکالمہ آرائی و متحرک کردار نگاری کو مرثیہ نگاری میں ایک خاص فوقیت حاصل ہے۔ مرثیہ نگاری کا دوسرا رخ

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

وہ ہے جو ہمیں عزم وہمت، بہادری و شجاعت، ظلم کے آگے سر نہ جھکانے کا، ظالم کے خلاف کلمۂ حق بلند کرنے کا، سچائی و حق گوئی، حوصلے اور صبر کا درس دیتا ہے۔ غرض مرثیے میں محض ایک خاندان ہی نہیں بلکہ تہذیب و تاریخ متحرک نظر آتی ہے۔ جو اس کی ادبی وقعت میں اضافے کا باعث ہے۔ یقیناً یہ تمام زاویے مرثیے کے تخلیقی عمل میں شوکت تھانوی اور سید محمد جعفری کے پیش نظر رہے ہوں گے۔ پھر اس کے علاوہ اس حقیقت سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ادب اور زندگی کے بدلتے ہوئے تصورات اور سماجی اقدار میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کے باعث بیسویں صدی کے مرثیہ نگار روایتی مرثیہ گوئی کے ساتھ ساتھ جدید مرثیے کی طرف بھی مائل ہوئے۔ یہاں یہ نکتہ بھی اہم ہے کہ وہ شعرا جن کا تاریخ، عمرانیات، علوم طبیعی اور عقلی کا عمیق مطالعہ تھا، انھوں نے قیامِ پاکستان کے بعد جدید مرثیے کے چراغ کو اپنے افکار سے از سرِ نو روشن کیا۔[۷] بیسویں صدی کے وسط کی جدید مرثیہ نگاری میں عصری شعور کا تیزی سے فروغ ہوا۔ ایسے حالات میں موضوعاتی مرثیوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا مثلاً جوش ملیح آبادی (۱۸۹۸ء۔ ۱۹۸۲ء)، نسیم امروہوی (۱۹۰۸ء۔۱۹۸۷ء)، راجا صاحب محمود آباد(۱۹۱۴ء۔۱۹۷۳ء)اور فیض بھرت پوری(۱۹۱۱ء۔۱۹۸۹ء) کے مرثیے گراں قدر اہمیت کے حامل ہیں۔ تاہم اس ضمن میں یہ پہلو بھی اہم ہے کہ عہد جدید میں موضوعاتی مرثیوں کی بڑی تعداد میں موضوعیت کا فقدان نظر آتا ہے۔ گویا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر موضوع کسی خاص واقعے کی نشاندہی کر رہا ہو تو اسی موضوع کو بنیاد بنا کر اس کے تمام پہلوؤں اور ہر زاویے کو واقعہ کربلا سے مربوط کرنا موضوعاتی مرثیے کی معراج ہے۔ اس حوالے سے بیشتر شعرا کے مرثیے موضوع کے اعتبار سے فنی تقاضوں کو پورا کرنے میں ناکام نظر آتے ہیں، اس کے برعکس بعض شعرا نے عنواناتی مرثیے لکھے ہیں جس میں عنوان کو مرکزیت دیتے ہوئے مرثیے کے تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مسدس کی ہیئت میں لکھا ہوا شوکت تھانوی کا مرثیہ ''آ اے قلم کہ تجھ کو سعادت عطا کریں''اور سید محمد جعفری کا مرثیہ ''کربلا اور حرم کعبہ میں شبیرؑ و خلیلؑ''عنواناتی مرثیے کے تسلسل کی ہی کڑی ہیں۔

شوکت تھانوی نے ''آ اے قلم کہ تجھ کو سعادت عطا کریں'' ۱۹۵۹ء میں تصنیف کیا۔[۸] کراچی میں ڈاکٹر یاور عباس(۱۹۱۷ء۔ ۱۹۸۵ء)کی قیام گاہ پر منعقد ہونے والی مجالس میں شوکت تھانوی باقاعدگی سے شرکت کرتے تھے۔ جن شخصیات نے ڈاکٹر یاور عباس کے حلقۂ اثر کے تحت صنف مرثیے کو بھی اپنایا ان میں شوکت تھانوی کا نام یوں بھی انفرادیت کا حامل ہے کہ آپ نے مزاح نویس ہونے کے باوجود مرثیے کے تمام تر فکری پہلوؤں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ''آ اے قلم کہ تجھ کو سعادت عطا کریں''، تصنیف کیا۔[۹] مرثیے کے حوالے سے خود شوکت تھانوی کی یہ رائے ان کے افکار کی ترجمان نظر آتی ہے جو انھوں نے ظریف جبل پوری (۱۹۱۴ء۔ ۱۹۶۴ء) کی کتاب ''تلافی مافات'' کے پیش لفظ میں یوں تحریر کی ہے:

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

محض فن کارانہ مہارت ہی مرثیہ گوئی اور کامیاب مرثیہ گوئی کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ اصل چیز وفورِ عقیدت اور وجدانِ حقیقی ہے اور ہر صنف شعر سے زیادہ میرے نزدیک یہ حقیقت مرثیہ کے لیے مسلمہ ہے کہ:

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں

مگر فنی حیثیت سے یہ بھی واقعہ ہے کہ شاعری اپنے خد وخال کے ساتھ جس آئینہ کے سامنے اپنی جامعیت کا جائزہ لیتی ہے وہ مرثیہ ہی ہے۔ زبان وبیان۔ تخیل اور مشاہدہ۔ تاریخ اور اس کے جزویات۔ منظر کشی اور مصوری۔ جذبات کی عکاسی۔ واردات کی ترجمانی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تاثر کا ایسا سحر کہ وہ سننے والے کی سماعت کو بینائی بھی عطا کر دے اور وہ جو کچھ سن رہا ہے اس منظر میں کھو کر اپنے کو ڈھونڈھتا رہ جائے۔ یہ ہمہ گیری اصناف شعر میں سے سوائے مرثیہ کے اور کس کے لیے ضروری ہے لہٰذا اس صنف پر قدرت رکھنے والا بگڑا شاعر تو نہیں البتہ شاعری کو نہ جانے کتنے علوم وفنون سے سنوارنے والا ہی ہو سکتا ہے۔(۱۰)

مرثیے کے حوالے سے شوکت تھانوی کی اس تحریر کو پڑھ کر شبلی(۱۸۵۷ء۔۱۹۱۴ء) کے موازنہ انیس ودبیر کی تمہید یاد آجاتی ہے جس میں انھوں نے مرثیے کو تمام تر خصوصیات کی حامل صنف شاعری قرار دیا ہے۔(۱۱) شوکت تھانوی کے مرثیے "آ اے قلم کہ تجھ کو سعادت عطا کریں"(۱۲) کا آغاز قلم کو مخاطب کر کے کچھ یوں ہوتا ہے:

آ اے قلم کہ تجھ کو سعادت عطا کریں　　جنبش میں تجھ کو لائیں ترا حق ادا کریں
جس غم میں مبتلا ہیں تجھے مبتلا کریں　　تیری زباں سے ذکرِ شہِ کربلا کریں
ذکرِ حسینؑ اصل میں ذکر رسولؐ ہے
یہ وہ مماثلت ہے جو سب کو قبول ہے

مرثیے کا چہرہ امام حسینؑ کے بچپن کے چند اہم واقعات، حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا آپ سے قلبی لگاؤ اور نسبت نیز امام حسینؑ کے حوالے سے احادیث نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا احاطہ کرتے ہوئے بطور خاص "حدیث مَنیت"(۱۳) کو پیش نظر رکھتے ہوئے تشکیل دیا گیا ہے۔(۱۴) امام حسینؑ کے اوصاف جو بچپنے میں ہی نمایاں تھے، انھیں ایسے بیان کیا ہے گویا زبانِ

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

رسالت ﷺ سے فضائل حسینؑ ادا ہو رہے ہوں، چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

کہتے تھے کسبِ نور کرو نورِ عین سے
میرا حسینؑ مجھ سے ہے میں ہوں حسینؑ سے

رسول اکرم ﷺ کو اپنے نواسے سے جو توقعات تھیں، اسلام کو آئندہ جس صورتِ حال کا سامنا کرنا تھا، امام حسینؑ کے بچپن سے زندگی کے آئندہ ادوار کو انتہائی جامع پیرائے میں آگے بڑھاتے ہوئے شوکت تھانوی نے اپنے مرثیے میں یہ باور کرایا ہے کہ حسینؑ نے اپنے نانا کی نیابت کرتے ہوئے یہ ثابت کر دیا کہ اگر ۶۱ ہجری میں آنحضرت ﷺ کے سامنے بھی یہی صورتِ حال ہوتی تو جو آپ ﷺ کا جواب ہوتا وہی امام حسینؑ کا بھی تھا۔ اس شعر میں امام حسینؑ کی اُس فکر کی ترجمانی کی گئی ہے جو رسول خدا ﷺ کی سوچ کی عکاس ہے:

وہ سوچتے تھے آج جو ہوتے یہاں رسولؐ
کیا ان مطالبات کو کرلیتے وہ قبول

شوکت تھانوی کا مرثیہ اس تاثر کی غمازی کرتا ہے کہ آپ امام حسینؑ کو زندگی کے ہر مسئلے کے لیے اور دنیا کے امور کو سمجھنے کے لیے ایک نڈر اور جرات مند رہنما تصور کرتے ہیں نیز کربلا کے معرکے سے وہ سبق حاصل کرنے کے خواہاں ہیں جو امورِ حیات میں ان کی معاونت و رہنمائی کر سکے۔ محض عقیدت و احترام کے جذبے کی کارفرمائی ''آ اے قلم کہ تجھ کو سعادت عطا کریں'' میں موجود نہیں بلکہ سماجی نقطہ نگاہ سے ملک و ملت کے لوگوں کو حسینی سیرت و کردار کے ذریعے حق پر ثابت قدم اور ظلم کے آگے سینہ سپر ہونے کا مشورہ بھی اس مرثیے کا جز ہے۔ یزید کے کردار کو شوکت تھانوی نے یوں عیاں کیا ہے:

وہ شہر یار نشۂ نخوت میں جو تھا چور   باطل پرست حق و صداقت سے دور دور
جام و سبو میں غرق کیے اپنا ہر شعور   معبودیت کے زعم میں اک پیکرِ غرور
اس کو تھا یہ گھمنڈ کہ فرماں روا ہوں میں
سودا یہ ہو گیا تھا کہ شاید خدا ہوں میں

شوکت تھانوی نے ۶۱ ہجری کے یزیدی کردار کو ہی بیان نہیں کیا بلکہ ہر زمانے کی یزیدی سوچ، ظلم اور جور روا

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

رکھنے والوں کی فکر کو بھی یہاں بے نقاب کیا ہے۔ حسینی فکر اجاگر کرتے ہوئے وہ کہیں کہیں جوش ملیح آبادی سے بھی متاثر نظر آتے ہیں۔ جوش کی فکر میں بیعت باطل سے انکار اور راہِ حق میں ثبات قدموں کے ساتھ جہاد کی ایک ولولہ انگیز للکار ہے اور ساتھ ہی ساتھ اصلاح معاشرہ اور عصری شعور نظر آتا ہے۔ اس ضمن میں جوش کا مرثیہ "حسینؑ اور انقلاب"(۱۵) بالخصوص اہمیت کا حامل ہے۔ نمونے کے لیے "حسینؑ اور انقلاب" کا ایک بند حواشی میں درج کیا گیا ہے۔(۱۶) جوش کے یہی افکار تھے کہ جن کی وجہ سے پروفیسر گوپی چند نارنگ (۱۹۳۱ء) نے ان کے حوالے سے یہ لکھا ہے:

> جوش رثائی ادب کی کلاسیکی روایت سے جو مذہبی مقصد کے لیے مخصوص تھی، سیاسی نوعیت کا کام لے رہے تھے۔ اس پر کچھ اعتراض بھی ہوئے۔ بایں ہمہ اس کا اعتراف بھی کیا گیا کہ "جوش نے مرثیے میں انقلاب اور قومی آزادی کے تصور کو رواج دیا۔"(۱۷)

شوکت بھی کہیں کہیں دانستہ اور جوش کے افکار کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں۔ پھر یہ نکتہ بھی اہم ہے کہ جب انھوں نے یہ مرثیہ لکھا اس وقت تک پاکستان میں ۱۹۵۸ء کا مارشل لاء نافذ ہو چکا تھا۔ یقیناً انھوں نے وطن عزیز میں جبر، ظلم اور آمریت کے تسلط دیکھے تھے۔ یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ ان کی مرثیہ نگاری میں حسینؑ حق گوئی اور جرأت کا استعارہ بن کر سامنے آتے ہیں۔ شوکت تھانوی نے مرثیے کے تناظر میں امام حسینؑ کے ان افکار کو نمایاں کیا ہے جو باطل اور حق کے درمیان اور خیر و شر کی راہ میں حدِ فاصل کھینچتے ہیں۔ امام حسینؑ کے اُس مشہور قول "ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے۔"(۱۸) کو بھی شعری پیرائے میں یوں بیان کیا ہے:

ان ذلتوں کا اور ہو یارا حسینؑ کو
تھی موت ان کے بدلے گوارا حسینؑ کو

شوکت تھانوی نے اس مرثیے میں پر شکوہ لفظیات، نادر تراکیب اور چست مصرعوں کا استعمال بھی کیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ الفاظ کے بغیر شاعر کا تخیل کبھی دنیا کے سامنے نہیں آسکتا۔ مگر ان الفاظ میں مناسبت ہونی بھی ضروری ہے ورنہ کلام میں رکاوٹ اور ناہمواری کی کیفیت در آتی ہے۔ اس ضمن میں سید مسعود حسن رضوی ادیب (۱۸۹۳ء۔ ۱۹۷۵ء) نے الفاظ کے انتخاب کے حوالے سے یہ لکھا ہے:

> ایسے لفظ جمع کیے جائیں جن کو ادا کرنے میں زبان رکتی نہ ہو۔ کلام کی اس خوبی کو صفائی اور روانی کہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ لفظوں کی آواز انفرادی اور مجموعی حیثیت سے

کانوں کو ناگوار نہ ہو۔(۱۹)

مندرجہ بالا رائے کو مد نظر رکھتے ہوئے شوکت تھانوی کے مرثیے کا مطالعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ انھوں نے مرثیے میں الفاظ کو محض جمع ہی نہیں کر دیا بلکہ مناسب الفاظ کا انتخاب کرنے میں ادبی شعور کا اظہار بھی کیا ہے۔ پھر کئی بند بلاغت کے اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے بھی ترتیب دیے ہیں۔ بلاغت کلام کی وہ خوبی ہوتی ہے جس کے ذریعے الفاظ و فقرات بر محل و برجستہ معلوم ہوتے ہیں اور کلام میں اثر آفرینی کی قوت بھی بلاغت ہی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ بلاغت کی شان یہ ہے کہ سامع یا ناظر کو اس مضمون سے نہ صرف معلومات حاصل ہوں بلکہ ایسی دلچسپی پیدا ہو کہ توجہ مبذول ہو جائے، دل پر اثر انداز ہو اور یہی وہ فن ہے جو علم و ادب کو خوش نما اور دلکش بناتا ہے۔(۲۰) اس ضمن میں ''آ اے قلم کہ تجھ کو سعادت عطا کریں''میں کہیں کہیں بلاغت کی عمدہ مثالیں نظر آتی ہیں۔ مثلاً یہ بند:

خالق کا مدعا ہے جو انسان دیکھ لو
جو چاہتا ہوں میں وہ مسلمان دیکھ لو

اردو مرثیہ نگاری میں محاکات نگاری کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ منظر نگاری کے جوہر ہی ہوتے ہیں کہ ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ گویا تمام واقعات ہماری آنکھوں کے سامنے رونما ہوئے ہوں، تاہم یہاں یہ نکتہ بھی اہم ہے کہ شاعر منظر نگاری کے ساتھ ساتھ تخیل کی کارفرمائیوں سے بھی کام لیتا ہے۔ محاکات میں اگر شاعر کا اپنا تخیل کارگر نہیں ہو تو محاکات میں وہ رنگارنگی کی کیفیت نہیں آسکتی جو شاعر کا کمال تخیل پیدا کر سکتا ہے۔ اس حقیقت کی واضح دلیل علامہ شبلی نعمانی کا یہ بیان ہے:

> اگرچہ محاکات اور تخیل دونوں شعر کے عنصر ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ شاعری دراصل تخیل کا نام ہے۔ محاکات میں جو جان آتی ہے تخیل ہی سے آتی ہے ورنہ خالی محاکات الفاظ سے زیادہ نہیں۔(۲۱)

شبلی کی اس رائے کی روشنی میں شوکت تھانوی کے مرثیے میں محاکات کی کئی مثالوں کا سراغ ملتا ہے۔ یہ بند ملاحظہ ہو جس میں یزیدی فوج کی نہر فرات پر پہرہ داری اور بندش آب کا یوں بیان ہے:

دشمن نے اپنے نہر پہ خیمے لگا دیے کچھ مورچے یہاں تو وہاں کچھ بنا دیے
مجبور کر چکے ہیں یہ تیور دکھا دیے پانی پہ بھی لعینوں نے پہرے بٹھا دیے

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

مرثیے کے کچھ اشعار پر ساقی نامہ کا گمان بھی ہوتا ہے اس ضمن میں شمیم احمد(۱۹۳۳ء۔۱۹۹۳ء) ساقی نامہ کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہتے کہیں:

> اصطلاحاً ''ساقی نامہ'' ایسے اشعار کا مجموعہ ہے، جس میں ساقی سے خطاب کیا جاتا اور شراب طلب کی جاتی ہے۔ ان اشعار میں شراب کی تعریف و تاثیر کا ذکر بھی آ جاتا ہے۔ اردو شاعری میں ساقی ایک مقبول و معروف کردار ہے، جو صاحبِ اختیار ہے، یعنی وہ شراب پلا کرمے پرست کی پیاس بجھا سکتا اور اس کے لیے باعثِ تسکینِ قلب بن سکتا ہے۔ ان معنوں کی توسیع کی جائے تو ساقی لفظ کچھ دینے اور بخشنے والی ہستی کا استعارہ بن جاتا ہے۔ چناں چہ ان کے ساقی نامے میں یہ لفظ خدا کا استعارہ ہے۔ (۲۲)

یہ مثال ملاحظہ ہو:

وعدہ ہے یہ حسینؑ کا ساقی تو لا وہ جام ۔۔۔ اب مجھ کو فکر کیا ہے رہوں کیوں میں تشنہ کام
یہ میکدہ ہے وہ کہ جہاں اب ہے اذنِ عام ۔۔۔ ہے اذنِ عام یوں کہ ہیں پیرِ مغاں امام
ہے شرط جام میں مئے حب امام ہو
اور اس میں وہ نشہ ہو کہ جس کو دوام ہو

صنعت ردالعجز علی الصدر کی مثال بھی درج بالا بند میں ملتی ہے، جہاں تیسرے مصرعے کا آخری جز چوتھے مصرعے کے آغاز میں لایا گیا ہے۔ عام طور پر یہ مرثیوں میں ساقی نامہ کا تاثر نہیں ملتا۔ تاہم کئی شعرا مناقب و سلام کے ذیل میں ساقی کوثر، جام کوثر، مالک کوثر اور حوضِ کوثر کی مناسبت سے ساقی نامہ کی کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ شوکت تھانوی کے یہ اشعار بھی اسی تاثر کی عکاسی کرتے نظر آتے ہیں۔ صنعت تضاد، صنعت مخاطب، صنعت مراعات النظیر، صنعت تلمیح و صنعت ارصاد اور صنعت لف و نشر کی بہت سی مثالیں شوکت کے مرثیے میں زور کلام، سلاست اور روانی میں اضافے کا باعث ہیں۔ خاص طور سے بعض مقامات پر تکرار لفظی نے اس مرثیے کی معنویت میں اضافہ کر دیا۔ یہ حقیقت ہے کہ تکرار لفظی جہاں مصرعوں میں زور پیدا کرتی ہے وہیں اس عمل کی کیفیت کا پُرزور بیان بن جاتی ہے جو شاعر کو دکھانا مقصود ہو۔ شوکت تھانوی نے اس مرثیے میں کئی مقامات پر کسی مخصوص نکتے پر توجہ مرکوز کرنے اور اس کی گہرائی کا اندازہ کرنے کے لیے صنعت تکرار کو خوبی سے برتا ہے۔ انھوں نے ایک بند میں امام حسینؑ کا اپنے آپ سے مکالمہ آرائی کا جو انداز پیش کیا ہے وہ منفرد ہونے کے ساتھ ساتھ لفظ ''نہیں'' کی تکرار کا بہترین مظہر ہے:

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

قرآں کی اور ختم ہو عظمت نہیں، نہیں میں بیچ دوں رسولؐ کی غیرت نہیں، نہیں

میں اور کروں یزید کی بیعت نہیں، نہیں ہو داغ دار کعبے کی حرمت نہیں، نہیں

یہاں نہیں، نہیں کی گردان امام حسینؑ کے باطل کے سامنے ڈٹ جانے کا اعلان بھی ہے اور ان کے مصمم ارادوں کی دلیل بھی۔ آگے کے مصرعوں میں حسینؑ کے انکار کو یوں لکھتے ہیں:

سن لے بگوشِ ہوش کہ انکار ہے مجھے
اور ایک بار بھی نہیں سو بار ہے مجھے

یہ حقیقت ہے کہ عمدہ کلام میں استعاروں کی موجودگی اہمیت کی حامل ہے، تاہم جدید شاعری میں کافی علامتیں اور استعارے خود ساختہ ہیں کہ جو ہمارے اجتماعی لاشعور کا حصہ ہیں۔ علامتی اسلوب باقاعدہ ایک نظام کے تحت کلام میں اپنی موجودگی کا احساس دلاتا ہے۔ گویا مرثیے کے ذیل میں علامتوں کو یوں برتنا کہ اوّل تا آخر اس استعارے کا تاثر جوں کا توں برقرار رہے ایک دِقّت طلب امر ہے۔ پھر مرثیے کا کینوس اپنے موضوع کی مناسبت سے قدرے محدود بھی ہے۔ حفظ مراتب اور مقدس ہستیوں کے مقام بھی شاعر کے ملحوظ رہتے ہیں جس کی وجہ سے بعض اوقات مرثیہ محض ایک مقدس تحریر کا تاثر دیتا ہے اور ادبی وقعت کے حساب سے اس کا پلڑا ہلکا نظر آتا ہے۔ میر انیس کے لیے یہ تمام صورت حال یقیناً ایک چیلنج سے کم نہ تھی، اس حوالے سے پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی (۱۹۳۵ء۔ ۲۰۲۰ء) یہ لکھتے ہیں:

> ایسے موقع پر میر انیس نے وہی کیا جو بڑا شاعر کرتا ہے۔ انھوں نے حسین اور اصحاب حسین کی خوبیاں اہلِ ظاہر کی خوشنودی کے لیے بیان کیں، اور انھیں الفاظ میں، جو ان خوبیوں کو ظاہر کرنے کے لیے ہم استعمال کرتے ہیں، لیکن اصل قوت اور حسن کے اظہار کے لیے انھوں نے یہ کیا کہ ان کرداروں کو علامتی رنگ میں رنگ دیا۔ ظاہر میں نظریں بھی مطمئن ہو گئیں اور شاعری کا حق بھی ادا ہو گیا... یعنی یہ کردار مثالی کردار بھی ہیں اور انسان بھی ہیں۔ محض خوبیوں کی فہرست گنانے میں ایک دو مرثیوں میں تو کام چل سکتا تھا لیکن ہر بار نہیں۔ ہر بار وہی باتیں کہنے سے عقیدہ تو مطمئن ہو جاتا لیکن شاعری خاک میں مل جاتی۔
>
> میرا کہنا یہ ہے کہ میر انیس نے اپنے بہترین مراثی میں حسین اور اصحاب حسین کے

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

کرداروں کے لیے کوئی نہ کوئی مخصوص علامت استعمال کی ہے اور وہ ہر جگہ استعمال ہوئی ہے ذکر چاہے براہِ راست ہو یا بر سبیلِ تذکرہ۔ ان کی جنگ و حرب وضرب کا بیان ہو یا ان کے اعمال و اخلاق کا، وہ مخصوص علامت کسی نہ کسی پیرائے میں ضرور نمودار ہوتی ہے اور پورے تصور و تاثر کو منظم و متحد کرتی ہے۔[۲۳]

اس تناظر میں استعاروں کے نظام کے حوالے سے موجودہ دور کے مرثیہ نگاروں کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ متعدد شعرا نے اپنے کلام میں امام حسینؑ اور ان کے رفقا کی خصوصیات کے لیے کسی نہ کسی استعارے یا علامت کو بھرپور طریقے سے برتا ہے۔ یہ مظاہرہ شوکت تھانوی کے مرثیے میں بھی سامنے آتا ہے گویا یہ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اس مرثیے کو محض تاریخی واقعات سے ہی نہیں سجایا بلکہ کہیں کہیں تشبیہات و استعارے، روزمرہ اور محاورات کے برمحل برتنے سے فصاحت کلام میں اضافہ ہوا ہے۔ خاص طور پر انھوں نے یہ لحاظ رکھا ہے کہ مصرعوں میں موزونیت برقرار رہے۔ چند مثالیں حواشی میں ملاحظہ ہوں۔[۲۴] ان کے مرثیے میں بینیہ وبکائیہ عنصر بھی ملتا ہے۔ یہاں یہ نکتہ اہم ہے کہ جس طرح قدیم مرثیوں میں حزن و بکا کا رنگ غالب ہوا کرتا تھا، جدید مرثیوں میں یہ کیفیت کم نظر آتی ہے، تاہم شوکت تھانوی کے کئی اشعار سراسر بینیہ اور حُزنیہ رنگ لیے ہوئے ہیں:

قاسم نے گر کے رن میں پکارا حسینؑ کو — جیسے کسی نے تیر سا مارا حسینؑ کو
ہر چند تھا نہ ضبط کا یارا حسینؑ کو — دیتی تھی بے کسی ہی سہارا حسینؑ کو

اس مرثیے کا اختتام شہادت امام حسینؑ پر ہوتا ہے۔ جہاں شوکت اللہ تعالیٰ کے حضور امام حسینؑ کی سجدہ ریزی اور راہِ خدا میں سر دینے کو اُس وعدۂ طفلی سے تعبیر کرتے ہیں جو کچھ روایات کے مطابق امام حسینؑ نے بچپنے میں دین بچانے کی خاطر اپنا سر دینے کے لیے اپنے نانا حضرت محمد ﷺ سے کیا تھا۔ مجموعی طور پر شوکت تھانوی کا یہ مرثیہ ”آ اے قلم کہ تجھ کو سعادت عطا کریں“ اپنے رواں اور سادہ اسلوب اور ربط و تسلسل کی بنا پر اردو مرثیوں میں ایک وقیع حیثیت کا حامل ہے۔ اس مرثیے کے مطالعے کے دوران کہیں بھی یہ تاثر نہیں ملتا کہ کسی مزاح نگار نے تصنیف کیا ہے۔ ہر بند دوسرے سے یوں مربوط ہے کہ تاریخی واقعات کا سلسلہ وار نظام قائم ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر ہلال نقوی (۱۹۵۰ء) نے دیگر مزاح نویسوں کے مرثیوں کی نسبت، شوکت تھانوی کے ”آ اے قلم کہ تجھ کو سعادت عطا کریں“ کو زیادہ مربوط قرار دیا ہے۔[۲۵]

سید محمد جعفری اگرچہ مزاح نویس تھے مگر انھیں رثائی ادب سے خاص دل چسپی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

میر انیس اور مرزا دبیر کے مرثیوں کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔[۲۶] نعت، منقبت اور سلام کے ذیل میں انھوں نے متعدد کلام تخلیق کیا۔ ان کے دو مرثیے اردو ادب میں نادر اہمیت کے حامل ہیں۔ ایک مرثیہ بعنوان ''کربلا اور حرمِ کعبہ میں شبیر و خلیل'' ہے جبکہ ایک مرثیہ بغیر عنوان کے ہے۔ ''کربلا اور حرمِ کعبہ میں شبیر و خلیل''[۲۷] میں سیّد محمد جعفری نے نام اور نسبت کا بھرپور التزام رکھتے ہوئے حضرت ابراہیمؑ اور امام حسینؑ کے مابین نسبت اور وہ تعلق بیان کیا ہے جس کی بنا پر خانہ کعبہ کی تعمیر سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب، بیٹے اسمٰعیلؑ کی گردن پر چھری پھیرنا نیز خدا کی جانب سے دنبے کا ذبح ہونا جیسے تمام واقعات کا تسلسل ذہن میں در آتا ہے اور پھر اسی تناظر میں امام حسینؑ کا اپنے حج کو عمرے سے بدلنا اور ۸/ ذی الحج ۶۰ ہجری کو مکے سے راہِ عراق اختیار کرنا، ان سب سلسلوں کی کڑیاں جس طرح علامہ محمد اقبال(۱۸۷۷ء۔۱۹۳۸ء) نے اپنے اس شعر میں بیان کی ہیں:

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؑ ابتدا ہے اسماعیلؑ[۲۸]

پھر خدا سے عشق کی انتہا کو اقبال بالِ جبریل کی نظم ذوق و شوق میں حضرت ابراہیمؑ کے صدق اور امام حسین کے صبر کو قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

صدقِ خلیل بھی ہے عشق صبر حسین بھی ہے عشق[۲۹]

سید محمد جعفری نے ''کربلا اور حرم کعبہ میں شبیر و خلیل'' کا اس شعر سے کچھ اس طرح آغاز کیا ہے:

کربلا اور حرمِ کعبہ میں شبیرؑ و خلیلؑ اوّل و آخر یک قصہٴ رنگین و جمیل
ایک تمہید وفا ایک وفا کی تکمیل کربلا سے در کعبہ کی مسافت ہے طویل
اے قلم دیکھ محبت کے منازل کیا ہیں کیسے طے کرتے ہیں خاصانِ خدا یہ راہیں

یہ مرثیہ مسدس کی ہئیت میں لکھا گیا ہے اور سید محمد جعفری نے ۶۰ بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں ۸ ذی الحجہ ۶۰ ہجری سے امام حسینؑ کے اس سفر کا احوال بیان کیا ہے جب آپ نے اپنا حج عمرے سے تبدیل کرتے ہوئے عراق کا رخ کیا۔ اس سفر میں امام حسینؑ کا جن منزلوں سے گزر ہوا یا آپ نے جہاں قیام کیا، کچھ اہم شخصیات کا ذکر نیز وہ وجوہات جن کی بنا پر آپ کو اپنا حج عمرے سے تبدیل کرنا پڑا، ان سب کا شعری پیرائے میں تسلسل کے ساتھ بیان، گویا ایک لڑی میں موتیوں کو پرونے کے مصداق ہے۔ ہر واقعے کو دوسرے سے اس مربوط انداز میں جوڑا گیا ہے کہ تاریخی حقائق بھی

نظر انداز نہیں ہو پاتے اور شاعرانہ اسلوب بھی متاثر نہیں ہوتا۔ اس مرثیے کے مطالعے کے دوران علامہ اقبال کا مشہور مصرع:

قافلۂ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں (۳۰)

بارہا ذہن میں گردش کرتا رہا کہ موجودہ صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ گویا اسلام کی قیادت کرنے والے، منزل حق پر گامزن راہرو اپنے لیے حسینی افکار کے حامل رہبر سے محروم ہیں۔ آج مذہب اسلام کے پیروکار، اسلامی تعلیمات سے دور نظر آتے ہیں۔ اسلام کے نام پر مسلمان خود ایسے انسانیت سوز جرائم کے مرتکب ہو رہے ہیں کہ ہمارے مذہب کا حقیقی تاثر ابھرنے نہیں پاتا۔ جبکہ ماضی کے اوراق اس حقیقت کی گواہی دیتے ہیں کہ اسلام اور رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات کو اہلِ اسلام کے ساتھ ساتھ غیر مسلم دنیا نے بھی سراہا ہے۔ نہ صرف سراہا ہے بلکہ امور مملکت کو احسن انداز میں چلانے کے لیے رہنمائی بھی حاصل کی ہے۔ یہ مسلمہ حقائق عالمی تاریخ کے افق پر تابندہ ستاروں کی طرح آج بھی منور ہیں۔ لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ زندہ قومیں مذہب سے اپنے تعلق کو مضبوطی سے استوار کیے رکھتی ہیں اور اپنی مذہبی اقدار کو نہ صرف فروغ دیتی ہیں بلکہ مذہبی ضابطہ حیات پر عمل پیرا ہو کے اپنے معاشرے کو بھی "زندہ معاشروں" کی صف میں لا کھڑا کرتی ہیں۔ اس ضمن میں اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے کہ باشعور و بیدار اقوام اپنے محسنوں کے احسانات، اپنے اسلاف کی قربانیوں اور اجداد کی صعوبتوں کو بھلاتی نہیں ہیں بلکہ اپنی آئندہ نسلوں کے لیے بھی ان احسانات و قربانیوں کی داستانوں کو ضبطِ تحریر میں لا کر محفوظ رکھنے کا سامان کرتی ہیں۔ اس سلسلے میں کسی بھی قوم کے مؤرخین، دانش وروں، ادیبوں، مفکروں اور شاعروں پر بڑی بھاری ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے اپنے طور پر قوم کی اعلیٰ شخصیات خاص طور پر مذہبی ہستیوں کے احوال اور گراں قدر کارنامے عام لوگوں کے سامنے پیش کریں تاکہ عوام الناس کو بھی اپنی مذہبی اور قومی شخصیات کی زندگیوں سے متعلق آگہی حاصل ہو۔ چناںچہ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ مختلف مذہبی اور قومی رہنماؤں کی خدمات اور قربانیوں کو ہر معاشرے میں منفرد انداز میں یاد کیا جاتا ہے۔ بالخصوص اگر مرثیے کے ذیل میں تحقیق کی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ مرثیہ نگاروں نے اپنے مراثی کے ذریعے یہ امور بخوبی انجام دیے۔ اسی لیے ڈاکٹر مسیح الزماں (۱۹۲۵ء۔ ۱۹۷۵ء) نے مرثیے کی اہمیت ان الفاظ میں واضح کی ہے:

> اردو کے تمام مؤرّخ اسے مانتے ہیں کہ مرثیہ نے اردو شاعری کو بڑی وسعت، تنوع اور وقار بخشا ہے۔ تقریباً تین صدیوں کے دوران میں یہ صنف ارتقا کی مختلف مدراج سے

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

> گزری ہے۔ تہذیبی اور معاشرتی روایتوں ، ادبی تقاضوں اور معتقدات کی گود میں پرورش پا کر اس نے زندگی کی حقیقتوں کو ایک دوسرے زاویے سے دیکھا اور افراد کے باہمی رشتوں، روحانی اور اخلاقی قدروں، فن کی نزاکتوں کو مربوط رکھ کر حیات اور کائنات کے بہت سے نئے پہلوؤں کو واضح کیا۔[۳۱]

یقیناً یہ تمام نکات سید محمد جعفری کے پیش نظر رہے ہوں گے جبھی ان کے دونوں مرثیوں میں تاریخی حقائق کا التزام رکھا گیا ہے۔ اس ضمن میں جب ان کی واقعہ نگاری کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے قدیم مرثیوں کے برخلاف جن میں بعض واقعات کی صحت وسند اور مبالغے کی بے جا دخل اندازی کی وجہ سے واقعہ کربلا کے اصل مقصد کو تاریخ کی بھول بھلیوں میں نہاں کر دیا گیا تھا، اپنے مرثیوں میں واقعات کو تمام تر تاریخی صداقتوں سے ہم آہنگ کر دیا ہے۔ سید محمد جعفری کے ہاں واقعہ نگاری میں مبالغہ نام کو نہیں بلکہ انھوں نے ''کربلا اور حرم کعبہ میں شبیر و خلیل،، میں تسلسل کے ساتھ جتنے بھی واقعات لکھے ہیں اس میں ان واقعات کی پوری صحت وسند کا مکمل خیال رکھا ہے۔ یقیناً ان کے پیشِ نظر جوش ملیح آبادی کی یہ رائے رہی ہو گی جس میں انھوں نے قدیم مرثیوں میں واقعہ نگاری کے حوالے سے یہ کہا ہے:

> مرثیوں میں بڑے بڑے مبالغے کیے گئے اور شہداے کربلا کے مکالمات میں اپنی طرف سے قیامت کے تصرفات سے کام لیا گیا۔[۳۲]

سید محمد جعفری واقعہ نگاری کرتے وقت تاریخ اسلام کے مکمل مطالعے و آگہی کا ثبوت دیتے ہیں۔ ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ سید محمد جعفری نے کعبہ سے کربلا تک امام حسینؑ کے سفر کی بعض منازل کے نام مصرعوں میں ایسے برتے ہیں کہ گویا اُس منزل کا نام مصرعے کا جز معلوم ہوتا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

راہ میں ایک مقام آیا بنام صفاح
جانبِ کوفہ سے آیا تھا وہاں اک سیاح

ایک منزل پہ ہوا سبط نبیؐ کا جو ورود
نام پوچھا تو کہا قریہ کے لوگوں نے زرود

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

سید محمد جعفری کے ہاں امام حسینؑ صرف عقیدے کی بنیاد پر باعث عقیدت واحترام ولائق تقلید نہیں بلکہ وہ امام حسینؑ کو تمام دنیا خاص طور پر عالم اسلام کے لیے انقلاب، صبر و ہمت اور شجاعت اولوالعزمی کا استعارہ سمجھتے ہیں، تاہم ان کے یہ افکار اردو شاعری میں نئے نہیں۔ عہد حاضر میں امام حسینؑ کے ایثار و استقلال کو جس قدر سراہا گیا ہے اتنا کسی دوسری ہستی کو اصناف سخن میں مقام نہیں ملا۔ اقبال، حفیظ(۱۹۰۰ء۔۱۹۸۲ء)، جوش کے علاوہ دیگر شعرا نے بھی امام حسینؑ کو قوی مجاہد کی بہترین مثال کے طور پر پیش کیا۔ تاہم اس ضمن میں جوشؔ کا ''حسینؑ اور انقلاب'' سرفہرست ہے۔ جس میں انھوں نے دنیاے اسلام کو تمام تر عقائد و فرقہ واریت سے بالاتر ہو کر امام حسینؑ کے عظیم کارنامے سے درس ہدایت لینے کے ساتھ ساتھ دعوت تقلید بھی دی ہے۔ جوش کے طرزِ فکر کا اتباع سید محمد جعفری کے ہاں بھی واضح طور پر دکھائی دیتا ہے۔ وہ نہ صرف طرزِ فکر میں بلکہ اسلوب کے بعض گوشوں پہ بھی جوشؔ کی پیروی کرتے نظر آتے ہیں۔ چند مثالیں حواشی میں ملاحظہ ہوں جہاں امام حسینؑ کے افکار کو بیان کرتے ہوئے باطل اور ظلم کے خلاف کلمہ حق اور صداے احتجاج بلند کرنا ظاہر کیا گیا ہے۔[۳۳] یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ موجودہ عہد کے مرثیہ گو شعرا کی مرثیہ نگاری کا ایک مشترکہ پہلو یہ ہے کہ حالات زمانہ کی کیفیت کو کم و بیش ہر مرثیہ نگار نے ایسے مرثیوں میں بیان کیا ہے۔ یوں تو مرثیہ چودہ سو سال قدیم واقعے کا بیان ہوتا ہے مگر فی زمانہ مرثیہ نگار اپنے مرثیوں میں عصر حاضر کے حالات کی عکاسی کرتے بھی نظر آتے ہیں جیسا کہ ڈاکٹر محمد حسن (۱۹۲۶ء۔۲۰۱۰ء) نے مرثیے کے بارے میں یہ نکتہ پیش کیا ہے:

یہ ایک ایسا ماضی ہے جس میں حال کی شرکت کسی نہ کسی نہج سے قائم ہے۔[۳۴]

لہٰذا سید محمد جعفری نے بھی اپنے مرثیے میں ماضی کے ساتھ اپنی سماجی صورت حال کو بھی باہم آمیز کر دیا۔ یہ بند ملاحظہ ہو:

بحر و بر میں مجھے ظاہر نظر آتا ہے فساد   سرکشی ہوتی ہے اس سے کہ جو ہے ربِّ عباد
قبضہ ہر مالِ غنیمت ہے زراہِ بیداد   اور حاکم کو نظر آتا ہے اپنا ہی مفاد
جس کو اللہ بناتا ہے حرام اور حلال
ان میں باقی نہ رہا فرق یہ ہے صورتِ حال

یوں تو سید محمد جعفری کے مرثیوں کو مکمل طور سے انقلابی مرثیہ نہیں کہا جاسکتا تاہم ان کے ہاں یہ رخ بھی نمایاں

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

ہے کہ مرثیے سے افکار حسینی کا اظہار محض رونے رلانے کی حد تک نہ ہو بلکہ انقلابی رجحان بھی نظر آئے۔ پھر یہ نکتہ بھی اہم ہے کہ خیر اور شر کے مابین فرق کو واضح کرنے، راہِ حق پہ ثبات قدموں سے چلنے اور حکمرانوں کے غلط اقدامات پر احتجاج بلند کرنے کے لیے بہت سے شعرا نے امام حسینؑ کو بطور استعارہ اپنے کلام میں واضح کیا ہے۔ سید محمد جعفری کے ہاں بھی اس کی مثال دیکھی جا سکتی ہے اور یہ کوئی منفرد پہلو اس لیے نہیں ہے اگر برصغیر کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ جب غیر منقسم ہندوستان میں انگریزوں کا تسلط قائم ہوا تو اس وقت اور اس کے بعد کے زمانے کے ادب پر ان حالات کا براہِ راست اثر پڑا جو مسائل زمانہ اس وقت لوگوں کا موضوع بحث بنے۔[۳۵] لہٰذا اردو شاعری بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ جدید شاعری کی بنیادیں استوار ہوئیں تو دیگر اصناف سخن کے ساتھ مرثیے کے مزاج میں بھی تبدیلی کا رجحان پیدا ہوا۔ یہ تبدیلی ایک انقلابی فکر کی عکاس تھی جس کے پس منظر میں امام حسینؑ کی ذات سے محض گریہ و زاری کو ہی نسبت نہیں تھی بلکہ اس کے علاوہ حسینی افکار و عزائم بھی نمایاں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سید محمد عقیل (۱۹۲۸ء۔۲۰۱۹ء) نے مرثیے کی سماجیات کو یوں واضح کیا ہے:

> مرثیوں کا سماجی ارتقاب اسی صورت میں ہو رہا ہے جس میں عالمیت (Universality) ہے اور بین الاقوامیت بھی اور شاید یہی شعری اور تہذیبی تجذیب آج کی مرثیت کا عروج بنتی ہے۔[۳۶]

جدیدیت کی لہر مرثیوں میں انیسویں صدی کے ربع آخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں داخل ہوئی۔ جوش ملیح آبادی، نجم آفندی (۱۸۹۳ء۔۱۹۷۵ء)، نسیم امروہوی، جمیل مظہری (۱۹۰۴ء۔۱۹۷۹ء) اور آلِ رضا (۱۸۹۶ء۔۱۹۷۸ء) کے افکار نے جدید مرثیے کے ننھے پودے کو تناور درخت میں تبدیل کر دیا۔ ان مرثیہ نگاروں کے فکری رجحانات اور انقلابی افکار نے ہم عصر شعرا کے لیے بھی ایک راہ ہموار کی کہ وہ بھی اسی مزاج اور رنگ و آہنگ میں مرثیہ نگاری کو فروغ دیں۔ سید محمد جعفری بھی انھی شعرا کے معاصرین میں تھے۔ اگرچہ کہ انھیں میر انیس اور مرزا دبیر کے مرثیوں سے گہرا شغف تھا لیکن اپنے زمانے کے مرثیہ گو شعرا کے رجحانات بھی یقیناً ان کے پیش نظر رہے ہوں گے۔ مزید یہ کہ "کربلا اور حرم کعبہ میں شبیر و خلیل" کے کچھ بند ساقی نامہ کا تاثر بھی پیش کرتے ہیں، وہی انداز جو شوکت تھانوی کے مرثیے میں تھا، ان کے ہاں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ صنائع و بدائع کے برمحل برتنے سے کئی اشعار کی اثر انگیزی میں اضافہ ہوا ہے۔ پھر بینیہ اشعار میں محاکات کچھ اس طرح رقم کیے ہیں گویا پورے منظر کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجائے۔ حواشی میں مثال ملاحظہ کیجیے۔[۳۷] آغاز تا اختتام "کربلا اور حرمِ کعبہ میں شبیر و خلیل" کا مطالعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس میں قدیم و جدید مرثیے کے عناصر کو ہم آہنگ کرنے کی سعی بھرپور انداز میں کی گئی ہے۔ کم و بیش تمام بندوں میں سید

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

محمد جعفری نے امام حسینؑ کے سفر کربلا کے دوران پیش آنے والے واقعات کی مختلف کڑیاں جوڑی ہیں۔ باہمی رشتوں کے مابین مکالمہ آرائی بھی ہے، جذبات نگاری بھی ان ہی مکالموں کے ذریعے ظاہر ہے اور کرداروں کا امام حسینؑ سے اظہارِ وابستگی بھی، گویا ایک قصے کا مکمل بیانیہ اس مرثیے میں موجود ہے۔ یہ درست ہے کہ اگر مرثیہ نگار کو بیانیہ میں کمال حاصل نہیں ہے تو وہ واقعات اور کرداروں میں معنوی تنظیم نہیں پیدا کر سکتے جو ایک قصے میں ابتدا سے اختتام تک موجود ہونی چاہیے۔[۳۸] سید محمد جعفری مجموعی طور پر یہ تنظیم قائم کرنے میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ ان کا ایک اور مرثیہ[۳۹] بھی ان کے کلیات میں درج ہے، اگرچہ کہ یہ عنوان کے تحت تحریر نہیں، تاہم اس مرثیے میں شب عاشور کو ہی موضوع بنایا گیا ہے۔ یہ مرثیہ ۴۵ بندوں پر مشتمل ہے اور مسدس کی ہیئت میں لکھا گیا ہے۔ مرثیے کا چہرہ صحرائے کربلا میں شام اترنے کی کیفیت کا منظر پیش کر رہا ہے نیز منفرد تراکیب کو برتنے سے شعری حسن اور خوش ادائی کا عنصر بھی نمایاں ہو رہا ہے مثال ملاحظہ ہو:

جب دن کے قافلے کی منازل ہوئیں تمام خونِ شفق نے بھر دیے چشمِ افق کے جام
اور دشتِ نینوا پہ گرے پردہ ہائے شام تاروں نے بڑھ کے آمدِ شب کا دیا پیام
لیلائے شب کے گیسوئے مشکیں بکھر گئے
اور کہکشاں کے رخ پہ ستارے نکھر گئے

یہاں خونِ شفق، چشمِ افق اور گیسوے مشکیں نئی تراکیب بھی ہیں اور بلاغت کا اشارہ بھی۔ آگے کے بندوں میں ان اصحاب باوفا اور خاندان رسالت ﷺ کی ان شخصیات کا ذکر ہے جو اپنے حسب نسب یا تعلق کی بنا پر محترم و معتبر تھیں اور شبِ عاشور خدمتِ امام عالی مقام میں ساتھ دینے، روزِ عاشور اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے دل و جان سے آمادہ بھی۔ بعض مصرعوں میں ان ہستیوں کے نام ان نسبتوں کے ساتھ لیے گئے ہیں کہ ذہن میں ان کا امام حسینؑ سے تعلق واضح ہو جاتا ہے۔ چند مثالیں حواشی میں ملاحظہ ہوں۔[۴۰] اس مرثیے کا خاص نکتہ یہ ہے کہ شبِ عاشور کے تناظر میں تاریخ اسلام کے اہم واقعات کو بھی شعری پیرائے میں اجاگر کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر شبِ معراج، غزوہ خندق، واقعہ مباہلہ اور حضرت فاطمہؑ و حضرت علیؑ کی شہادت کو ایک ایک مصرعے میں بلاغت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ کہیں کہیں تلمیحات کو بھی خاص تاریخی واقعے کی نشاندہی کے لیے یوں برتا گیا ہے:

ہے کربلا کہ جلوۂ موسیٰ و طور ہے

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

صنعتوں کا استعمال اس مرثیے میں بھی نمایاں ہے خاص طور پر صنعت تضاد سے کئی اہم رخ یوں نمایاں کیے گئے ہیں:

ہیں جزو جس کا فاطمہ، وہ کُل رسول ہیں
اور پنجتن کا باطن و ظاہر بھی ہیں وہی

نیز تشبیہات و استعاروں نے کئی اشعار میں رنگ و آہنگ کی کیفیت پیدا کر دی ہے:

روشن یہ رات ہو گئی تھی بدر کی طرح
گزری تھی ذکرِ حق میں شبِ قدر کی طرح

مرثیے کے اختتامی بند شب عاشور سے بتدریج آگے بڑھتے ہوئے عصر عاشور کی منظر کشی پیش کر رہے ہیں۔ امام حسینؑ کی اپنے اقربا سے رخصت، مقتل میں آمد، جنگ یہ سب بیان کرتے ہوئے بالآخر اس مرثیے کو شہادتِ امام پر منتج کیا گیا ہے۔ ان اشعار میں بکائیہ فضا اور بینیہ رنگ روایتی مرثیوں کا انداز پیش کرتا نظر آتا ہے۔ بالخصوص سید محمد جعفری کے دونوں مرثیوں میں مقتل کی فضا حسینؑ کی مظلومیت کا اعلان کر رہی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ مظلومیت کا مفہوم اگر آسان اور واضح انداز میں بیان کرنا ہو تو مقتلِ کربلا سے بڑھ کر کوئی مثال نہیں۔[۴۱] مثال ملاحظہ ہو:

بڑھتی ہے پیاس زخموں سے بہتا ہے خون تر ہے ہر طرف سے نرغۂ اعدا حسینؑ پر
چاروں طرف سے چلتے ہیں تلوار اور تبر جو کچھ تھا وہ لٹا چکے سلطانِ بحر و بر
سب جا چکے ہیں، آنکھوں میں دنیا سیاہ ہے
وقتِ نمازِ عصر ہے اور قتل گاہ ہے

اس مرثیے میں بھی ایک مربوط فکری نظام نظر آتا ہے اور وہ ناقدین جنھوں نے سید محمد جعفری کا محض ایک ہی مرثیہ سپردِ تحقیق کیا، اس مرثیے کا تجزیہ بھی یقیناً ان کے لیے نئے تحقیقی امکانات روشن کرنے کا باعث بنے گا۔ یہ امر دلچسپ بھی ہے اور باعثِ حیرت بھی کہ سید محمد جعفری کے دونوں مرثیے ہی واقعاتی مرثیے کے زمرے میں شمار ہوتے ہیں۔ گویا یہ کہا جا سکتا ہے کہ انھیں تاریخِ کربلا سے وابستہ واقعات سے گہرا لگاؤ تھا تاہم ان مرثیوں کا اسلوب قدیمی تاریخی مرثیوں سے یکسر مختلف ہے۔ پھر واقعات کے تناظر میں حسینی فکر کو اپنے نظام میں موجود بے اعتدالیوں اور سماجی ناہمواریوں کے خلاف صدائے احتجاج کے طور پر ظاہر کرنا، انھوں نے خوش اسلوبی سے اس آہنگ کو اپنے مرثیوں میں سمویا ہے۔ الغرض شوکت تھانوی اور سید محمد جعفری کے مرثیوں کا مطالعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان کے اس رثائیہ تخلیقی

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

عمل میں یقیناً یہ نکتہ ان کے مدِ نظر رہا کہ مرثیہ محض ایک صنف ادب ہی نہیں، بلکہ تاریخ و تہذیب کا وہ امتزاج ہے جہاں سے مستفید ہو کر تخلیق کاروں نے فرقہ وار ذہنیت اور مسلکی نقطۂ نظر سے بالاتر ہو کر من حیث القوم تمام مسلمانوں کو تاریخ اسلام سے عزم و حوصلے اور اتحاد بین المسلمین کا درس دیا ہے۔ اس ضمن میں یہ رخ بھی اہم ہے کہ رثائی ادب انسانی اقدار کے مطالعے میں معاون بھی ہے اور رہنما بھی۔ پھر مرثیے کے باب میں مولانا الطاف حسین حالی کے وہ تنقیدی افکار بھی یقیناً شوکت تھانوی اور سید محمد جعفری کے پیشِ نگاہ رہے جس میں حالی نے اخلاقی نقطہ نظر سے بھی مرثیہ نگاری کو سراہتے ہوئے اعلیٰ درجے کے اخلاقی مظاہر کا نمونہ قرار دیا ہے۔ حالی کے یہی تنقیدی نظریات ہیں کہ جن کی بدولت مرثیہ نگاری محض کسی خاص مسلک یا مذہب تک محدود نہیں رہی بلکہ برصغیر پاک و ہند میں غیر مسلم شعرا نے بھی شہدائے کربلا کی یاد میں مرثیے کہے ہیں۔ مرثیہ نگاری کا ایک اہم زاویہ یہ بھی ہے کہ بیسویں صدی، برصغیر پاک و ہند کی تاریخ میں یوں بھی اہمیت کی حامل ہے کہ ایک طرف مسلمان اپنا کھویا ہوا قومی و اسلامی تشخص بحال کرنے کی بھرپور کوششوں میں تھے تو ایک علیحدہ وطن کی جدوجہد بھی عروج پر تھی لہٰذا اس وقت کے ممتاز مرثیہ نگاروں نے روایتی مرثیہ نگاری سے انحراف کرتے ہوئے اپنے مرثیوں میں امام حسینؑ کو محض ایک مظلوم و مجبور شخصیت کے طور پر پیش نہیں کیا بلکہ حسینی افکار و کردار کو یوں نمایاں کیا ہے کہ گویا امام حسینؑ تحریک آزادی کے روحانی رہنما و قائد محسوس ہوتے ہیں، جن کے عزم و حوصلے اور صبر و ہمت سے دل شکستہ لوگ وجہ سکون بھی پاتے ہیں اور بلند حوصلگی بھی۔ لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ مراثی میں امام حسینؑ ایک ایسے ہیرو ہیں جو مظلوم تو ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ بہادری، شجاعت، صبر و شکر، انسان دوستی، دردمندی اور دانش مندی کی صفات کا مظہر بھی ہیں۔ ان کی یہ تمام صفات ظلم سہنے والوں کو، جدوجہد کرنے والوں کو ایک ایسی منزل کا سراغ دیتی ہے جہاں مایوسی اور شکستگی کے بجائے امید اور کامیابی انسان کی منتظر ہوں۔ ان تمام نکات کو شوکت تھانوی اور سید محمد جعفری کے مرثیوں میں بخوبی دیکھا جا سکتا ہے کہ اگر وہاں روایتی بینیہ رنگ ہے تو عزم و حوصلے کا آہنگ بھی موجود ہے۔ پھر واقعات کے تسلسل اور ربط میں بھی دونوں نے یہ التزام رکھا ہے، اسی طرح تاریخی صداقت بیان کرتے ہوئے کہیں بھی مبالغہ آرائی محسوس نہیں ہوتی۔ انیس و دبیر سے لے کر جوش، نسیم امروہوی اور آلِ رضا کے مرثیے تو یقیناً اردو ادب سے وابستہ افراد کے مطالعے میں رہتے ہیں، تاہم اردو زبان و ادب کے ان دو معروف مزاح نگاروں کے مرثیے بھی روایتی جدید مرثیوں کے تمام اجزا و عناصر اپنے اندر سمیٹے ہوئے، رثائی ادب میں وقیع حیثیت کے حامل ہیں۔

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

حواشی

۱۔ ڈاکٹر ہلال نقوی، ’’مرثیے کی نایاب آوازیں‘‘(کراچی: الفاظ فاؤنڈیشن، دسمبر ۲۰۱۱ء)، ص۹۰
۲۔ ایضاً، ص۱۵۰
۳۔ مولانا الطاف حسین حالی، ’’مقدمہ شعر و شاعری‘‘(لاہور: خزینہ علم وادب، ۲۰۰۱ء)، ص۲۵۰
۴۔ ڈاکٹر شارب ردولوی(مرتب)، ’’اردو مرثیہ‘‘(دہلی: اردو اکادمی، ۱۹۹۱ء)، ص۹
۵۔ ڈاکٹر سید صفدر حسین، ’’رزم نگاران کربلا‘‘(لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۷۷ء)ص۳۳۲
۶۔ سید محمد جعفری، ’’شوخیٔ تحریر‘‘(لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۳ء)ص۱۰
۷۔ ڈاکٹر اسد اریب، ’’اردو مرثیے کی سرگزشت‘‘(لاہور: کاروان ادب، ۱۹۸۹ء)ص۱۴۰
۸۔ ڈاکٹر ہلال نقوی، ’’مرثیے کی نایاب آوازیں‘‘، ص۹۰
۹۔ ضمیر اختر نقوی، ’’اردو مرثیہ پاکستان میں‘‘(کراچی: سید اینڈ سید، ۱۹۸۲ء)، ص۳۴۷
۱۰۔ شوکت تھانوی، ’’پیش لفظ‘‘ مشمولہ ’’تلافی مافات از ظریف جبل پوری‘‘، (کراچی: کاشانہ اردو، س ن)، ص۹۔۱۰
۱۱۔ شبلی نعمانی، ’’موازنہ انیس و دبیر‘‘(کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، دسمبر ۱۹۶۲ء)، ص۴
۱۲۔ شوکت تھانوی کا مکمل مرثیہ ’’آ اے قلم کہ تجھ کو سعادت عطا کریں‘‘، ڈاکٹر ہلال نقوی کتاب مرثیے کی نایاب آوازیں میں صفحہ ۹۱ تا ۱۰۳ پر درج ہے۔
۱۳۔ رسول اکرم ﷺ کی مشہور حدیثِ مُبیت جس کا ترجمہ کچھ یوں ہے، 'حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں' اس حدیث کی روایت صحاح ستہ کی کئی کتب میں موجود ہے جیسے سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ، اس کے علاوہ المستدرک، مسند احمد حنبل اور جامع الکبیر میں بھی یہ روایت صحت کے ساتھ موجود ہے۔
۱۴۔ ڈاکٹر ہلال نقوی، ’’بیسویں صدی اور جدید مرثیہ‘‘(کراچی: محمدی ٹرسٹ، فروری ۱۹۹۴ء)، ص۷۵۷
۱۵۔ جوش ملیح آبادی نے مرثیہ 'حسین اور انقلاب' ۱۹۴۱ء میں تصنیف کیا تھا۔
۱۶۔ جو صاحب مزاج نبوت تھا وہ حسین — جو وارثِ ضمیرِ رسالت تھا وہ حسینؑ
جو خلوتیِ شاہدِ قدرت تھا وہ حسینؑ — جس کا وجود فخر مشیت تھا وہ حسین
سانچے میں ڈھالنے کے لیے کائنات کو
جو تولتا تھا نوکِ مژہ پر حیات کو
(بحوالہ جوش ملیح آبادی، ’’کلیاتِ مراثیِ جوش‘‘، ڈاکٹر عصمت ملیح آبادی(مولف)، (دہلی: فرید بک ڈپو پرائیوٹ لمیٹڈ، س ن، ص۸)
۱۷۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ، ’’سانحہ کربلا بطور شعری استعارہ‘‘(دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۶ء)ص۳۸
۱۸۔ محمود شریفی، سید محمد احمدیان(مؤلفین)، علی مویدی(مترجم)، ’’فرہنگ جامع سخنان امام حسین‘‘، (تہران: نشر معروف، ۱۳۹۴ھ)، ص۴۰۳
۱۹۔ سید مسعود حسن رضوی ادیب، ’’ہماری شاعری‘‘، (مرتبہ) ایس ایم شفیق(لاہور: نذر سنز، ۱۹۸۶ء)، ص۴۲
۲۰۔ پروفیسر محمد سجاد مرزا بیگ، ’’تسہیل البلاغت‘‘(دہلی: صوفی پبلشرز، ۱۳۳۹ھ)، ص۲۱۹۔۲۲۰

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

۲۱۔ شبلی نعمانی، ''شعر العجم'' (جلد چہارم)، (اعظم گڑھ، معارف پریس، ۱۹۳۳ء)، ص ۳۰

۲۲۔ شمیم احمد، ''اصنافِ سخن اور شعری ہیئتیں'' (بھوپال: انڈیا بک ایمپوریم، ۱۹۸۱ء) ص ۱۹۴۔۱۹۵

۲۳۔ شمس الرحمٰن فاروقی، ''شعر، غیر شعر اور نثر'' (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۰۵ء) ص ۴۳۵

۲۴۔ جرأت ہے اس کا حق کہ ہے شیر خدا کا شیر حیرت سے دیکھتے رہے وہ سیپ میں گہر

اب کیا تھا اک گھٹا سی اٹھی فوج شام کی کوندی اُفق پہ برق سی اک انتقام کی

بنتِ نبیؐ کے اشک ہیں، دنیا ڈبو نہ دیں میرے لیے اگر ہیں تو خود مجھ کو کھو نہ دیں

بن کر رہیں گے دین کے سینہ سپر حسینؑ بگڑی کوئی بنا نہیں سکتا مگر حسینؑ

محاورات کا خوبی سے استعمال مصائب بیان کرتے ہوئے بھی یوں کیا ہے:

دل کا حسینؑ اپنے نچوڑا کیے لہو

لیکن خدا کے واسطے چھوڑو نہ میرا ساتھ

۲۵۔ ڈاکٹر ہلال نقوی، ''بیسویں صدی اور جدید مرثیہ''، ص ۷۵۷

۲۶۔ سید عاشور کاظمی، ''اردو مرثیے کا سفر اور بیسویں صدی کے اردو مرثیہ نگار''، (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۶ء) ص ۳۹۴

۲۷۔ سید محمد جعفری کا مکمل مرثیہ ''کربلا اور حرم کعبہ میں میں شبیر و خلیل'' ڈاکٹر ہلال نقوی کی کتاب ''مرثیے کی نایاب آوازیں'' میں صفحہ ۱۵۱۔۱۶۴ پر درج ہے۔

۲۸۔ اقبال، ''کلیاتِ اقبال'' (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۹۹ء)، ص ۳۵۵

۲۹۔ ایضاً، ص ۴۰۴

۳۰۔ ایضاً

۳۱۔ ڈاکٹر مسیح الزماں، ''اردو مرثیے کا ارتقا'' (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دسمبر ۲۰۰۲ء) ص ۹

۳۲۔ سید آلِ رضا، ''عظمتِ انسان''، مرتبہ سیّد وحید الحسن ہاشمی، (لاہور: مکتبہ تعمیر ادب، ۱۹۶۷ء)، ص ۱۰۰

۳۳۔ غور سے سن لو یہ کہتے تھے رسولؐ دوسرا جب کہ اک حاکم ظالم کو نہ ہو خوفِ خدا

حق نے قائم جو حدیں کیں وہ انھیں توڑ چکا اور جسے عہدِ الٰہی کا نہ ہو پاس ذرا

ایسے ظالم کی حمایت کا کبھی دم نہ بھرو

طلب عدل کی کوشش کو کبھی کم نہ کرو

اور جو شخص کہ ہر ظلم کو چپ ہو کے سہے ایسے ظالم کے مٹانے کو کہے کچھ نہ کرے

غیر ممکن ہے کہ اس شخص کو خالق بخشے جو ہر اک ظلم و ستم دیکھ کے خاموش رہے

ایسے خاموش نشینوں کا ٹھکانہ ہے برا

دیکھو شیطان کے پیرو نہ بنو بہر خدا

۳۴۔ ڈاکٹر محمد حسن، ''اردو ادب کی سماجیاتی تاریخ''(نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو،۱۹۸۸ء)، ص۲۳
۳۵۔ ڈاکٹر اعجاز حسین، ''نئے ادبی رجحانات''(الٰہ آباد: اسرار کریمی پریس،۱۹۴۳ء)، ص۱۸۲
۳۶۔ سید محمد عقیل، ''مرثیے کی سماجیات''، (لکھنؤ: نصرت پبلشرز،۱۹۹۳ء)، ص۹۹
۳۷۔ ڈاکٹر انیس اشفاق، ''میر انیس اور قصہ گوئی کا فن''، مشمولہ ''رثائی ادب''، شمارہ ۲۷۔۲۸ (کراچی: محمدی ایجوکیشنل اینڈ پبلی کیشن، جولائی تا ستمبر،۲۰۰۲ء)، ص۱۷۸
۳۸۔ جاتے ہیں اصغرؑ بے شِیر کو دفناتے ہیں   اسی حالت میں شقی تیر بھی برساتے ہیں
خونِ اصغرؑ کو بھی چہرے پہ ملے جاتے ہیں   اور لبِ خشک سے اس بات کو دُہراتے ہیں
میرے مالک یہ مرا ہدیۂ آخر ہو قبول
یوں صدا آتی ہے جیسی کہیں روتی ہو بتول
۳۹۔ سید محمد جعفری، ''کلیاتِ سیّد محمد جعفری''(لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۲ء)، ص۶۶۵۔۶۸۱
۴۰۔ ان میں ہلال اور بریر اور سعید ہیں   مردانِ حق ہیں، دشمن فوجِ یزید ہیں
یعنی حبیب ابنِ مظاہر بھی ہیں یہاں   بچپن کے دوست، فکرِ حسینی کے رازداں
اک بوذرِ غفاری کا حبشی ہے غلام   ہے خوش نصیب 'جون' ہے اس باوفا کا نام
وہ مسلم ابن عوسجہ ہوں یا زہیر قین   ایسے ہیں وہ کہ فخر کریں جن پہ خود حسینؑ
خاندانِ رسالت ﷺ کے افراد کے حوالے سے یوں بیان کرتے ہیں:
ہیں کربلا میں ثانیِ زہرا کے دو پسر   چھوٹے سے سن میں جنگ پہ باندھے ہوئے کمر
قاسم بھی ہے جناب حسنؑ کا وہ نورِ عین   درِ یتیم مادرِ بیوہ کے دل کا چین
چھ ماہ کے حضرت علی اصغر بھی قافلہ حسینی کے سب سے کم سن مجاہد ہیں:
ہے ان مجاہدوں میں بھی اک طفل شیر خوار
چہرے سے جس کے شوق شہادت ہے آشکار
۴۱۔ پروفیسر مشکور حسین یاد، ''میر انیس کے مراثی میں مقتلِ کربلا کی فضا''، مشمولہ رثائی ادب، شمارہ ۲۷،۲۸، ص۳۲۷

مآخذ

۱۔ آلِ رضا، سیّد، ''عظمتِ انسان''، مرتبہ سیّد وحید الحسن ہاشمی، لاہور: مکتبہ تعمیر ادب،۱۹۶۷ء
۲۔ احمد، شمیم، ''اصنافِ سخن اور شعری ہیئتیں''، بھوپال: انڈیا بک ایمپوریم،۱۹۸۱ء
۳۔ ادیب، سید مسعود حسن رضوی، ''ہماری شاعری''، مرتب: ایس ایم شفیق، لاہور: نذر سنز،۱۹۸۶ء
۴۔ اریب، اسد، ڈاکٹر، ''اردو مرثیے کی سرگزشت''، لاہور: کاروان ادب،۱۹۸۹ء

ISSN: 2519-6332 (Print) ❄ ISSN: 2708-1915 (Online)

۵۔ اقبال، ''کلیاتِ اقبال''، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۹۹ء

۶۔ بیگ، پروفیسر محمد سجاد مرزا، ''تسہیل البلاغت''، دہلی: صوفی پبلشرز، ۱۳۳۹ھ

۷۔ تھانوی، شوکت، ''پیش لفظ'' مشمولہ ''تلافی مافات از ظریف جبل پوری''، کراچی: کاشانہ اردو، س ن

۸۔ جعفری، محمد، سیّد، ''شوخیٔ تحریر''، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۳ء

۹۔ ـــــــ، ''کلیاتِ سیّد محمد جعفری''، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء

۱۰۔ حالی، الطاف حسین، مولانا، ''مقدمہ شعر و شاعری''، لاہور: خزینہ علم و ادب، ۲۰۰۱ء

۱۱۔ حسن، محمد، ڈاکٹر، ''اردو ادب کی سماجیاتی تاریخ''، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو، ۱۹۸۸ء

۱۲۔ حسین، اعجاز، ڈاکٹر، ''نئے ادبی رجحانات''، الہ آباد: اسرار کریمی پریس، ۱۹۴۳ء

۱۳۔ حسین، سیّد صفدر، ڈاکٹر، ''رزم نگاران کربلا''، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۷۷ء

۱۴۔ ردولوی، شارب، ڈاکٹر (مرتب)، ''اردو مرثیہ''، دہلی: اردو اکادمی، ۱۹۹۱ء

۱۵۔ عقیل، سیّد محمد، ''مرثیے کی سماجیات''، لکھنؤ: نصرت پبلشرز، ۱۹۹۳ء

۱۶۔ فاروقی، شمس الرحمٰن، ''شعر، غیر شعر اور نثر''، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۰۵ء

۱۷۔ کاظمی، سیّد عاشور، ''اردو مرثیے کا سفر اور بیسویں صدی کے اردو مرثیہ نگار''، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۶ء

۱۸۔ مسیح الزماں، ڈاکٹر، ''اردو مرثیے کا ارتقا''، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دسمبر ۲۰۰۲ء

۱۹۔ نارنگ، گوپی چند، پروفیسر، ''سانحہ کربلا بطور شعری استعارہ''، دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۶ء

۲۰۔ نعمانی، شبلی، ''موازنہ انیس و دبیر''، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، دسمبر ۱۹۶۲ء

۲۱۔ ـــــــ، ''شعر العجم'' (جلد چہارم)، اعظم گڑھ، معارف پریس، ۱۹۳۳ء

۲۲۔ نقوی، ضمیر اختر، ''اردو مرثیہ پاکستان میں''، کراچی: سید اینڈ سید، ۱۹۸۲ء

۲۳۔ نقوی، ہلال، ڈاکٹر، ''مرثیے کی نایاب آوازیں''، کراچی: الفاظ فائونڈیشن، دسمبر ۲۰۱۱ء

۲۴۔ ـــــــ، ''بیسویں صدی اور جدید مرثیہ''، کراچی: محمدی ٹرسٹ، فروری ۱۹۹۴ء، بحوالہ جوش ملیح آبادی، ''کلیاتِ مراثی جوش''، ڈاکٹر عصمت ملیح آبادی (مولف)، دہلی: فرید بک ڈپو پرائیوٹ لمیٹڈ، س ن

رسائل و جرائد

۱۔ ''رثائی ادب''، شمارہ ۲۷۔۲۸، جولائی تا ستمبر، ۲۰۰۲ء، محمدی ایجوکیشنل اینڈ پبلی کیشن، کراچی

فرہنگ

۱۔ شریفی، محمود اور احمدیان، سیّد محمد، (مؤلفین)، علی مویدی (مترجم)، ''فرہنگ جامع سخنان امام حسین''، تہران: نشر معروف، ۱۳۹۴ھ